

Tafheemul Quran in Colors Arabic Urdu 013 Arkhad Syed Abul Aala Maududi Evergreen Islamic Center

الرَّعْدُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نام

آیت نمبر ۱۳ کے فقرے وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ کے لفظ الرعد کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ اس نام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سورۃ میں بادل کی گرج کے مسئلے سے بحث کی گئی ہے، بلکہ یہ صرف علامت کے طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ وہ سورۃ ہے جس میں لفظ الرعد آیا ہے۔

زمانہ نزول

رکوع ۴ اور رکوع ۶ کے مضامین شہادت دیتے ہیں کہ یہ سورۃ بھی اسی دور کی ہے جس میں سورہ یونس، ہود، اور الاعراف نازل ہوئی ہیں، یعنی زمانہ قیام مکہ کا آخری دور ہے۔ انداز بیان سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ایک مدت دراز گزر چکی ہے، مخالفین تکلیف دینے اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلتے رہے ہیں، مومنین بار بار تمنائیں کر رہے

میں کہ کاش کوئی معجزہ دکھا کر ہی ان لوگوں کو راہِ راست پر لایا جائے، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھا رہا ہے کہ ایمان کی راہ دکھانے کا یہ طریقہ ہمارے ہاں رائج نہیں ہے اور اگر دشمنانِ حق کی رسی دراز کی جا رہی ہے تو یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے تم گھبرا اٹھو۔ پھر آیت ۳۱ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کفار کی ہٹ دھرمی کا ایسا مظاہرہ ہو چکا ہے جس کے بعد یہ کہنا بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبروں سے مردے بھی اٹھ کر آجائیں تو یہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ اس واقعے کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر ڈالیں گے۔ ان سب باتوں سے یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون

”سورۃ کا مدعا پہلے ہی آیت میں پیش کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں وہی حق ہے، مگر یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ اسے نہیں مانتے۔ ساری تقریر اسی مرکزی مضمون کے گرد گھومتی ہے۔ اس سلسلے میں بار بار مختلف طریقوں سے توحید اور رسالت کی حقانیت ثابت کی گئی ہے، ان پر ایمان لانے کے اخلاقی و روحانی فوائد سمجھانے گئے ہیں، ان کو نہ ماننے کے نقصانات بتانے گئے ہیں، اور یہ ذہن نشین کیا گیا ہے کہ کفر سراسر ایک حماقت اور جہالت ہے۔ پھر چونکہ اس سارے بیان کا مقصد محض دماغوں کو مطمئن کرنا ہی نہیں، دلوں کو ایمان کی طرف کھینچنا بھی ہے، اس لیے نرے منطقی استدلال سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ایک ایک دلیل اور ایک ایک شہادت کو پیش کرنے کے بعد ٹھہر کر طرح طرح سے تخریف، ترہیب، ترغیب، اور مشفقانہ تلقین کی گئی ہے تاکہ نادان لوگ اپنی گمراہانہ ہٹ دھرمی سے باز آجائیں۔ دورانِ تقریر میں جگہ جگہ مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کئے بغیر ان کے جوابات دیے گئے ہیں، اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے تھے یا مخالفین کی طرف سے ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان کو بھی جو کئی برس کی طویل اور سخت جدوجہد کی وجہ سے تھکے جا رہے تھے اور بے چینی کے ساتھ غیبی امداد کے منتظر تھے، تسلی دی گئی ہے۔

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

المرا۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی۔ اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔^{*1}

الْمَرَّةَ تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

***1** یہ اس سورۃ کی تمہید ہے جس میں مقصود کلام کو چند لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ رونے سخن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور آپ سلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی سلم، تمہاری قوم کے اکثر لوگ اس تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اسے ہم نے تم پر نازل کیا ہے اور یہی حق ہے خواہ لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اصل تقریر شروع ہو جاتی ہے جس میں منکرین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ تعلیم کیوں حق ہے اور اس کے بارے میں اُن کا رویہ کس قدر غلط ہے۔ اس تقریر کو سمجھنے کے لیے ابتداء ہی سے یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ تین بنیادی باتوں پر مشتمل تھی۔ ایک یہ کہ خدائی پوری کی پوری اللہ کی ہے اس لیے اس کے سوا کوئی بندگی و عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں تم کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ تیسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ پیش کر رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ یہی تین باتیں ہیں جنہیں ماننے سے لوگ انکار کر رہے تھے، انہی کو اس تقریر میں بار بار مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور انہی کے متعلق لوگوں کے شبہات و اعتراضات کو رفع کیا گیا ہے۔

اللہ وہی ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھتے ہو تم انکو^{*2}۔ پھر جلوہ افروز ہوا عرش پر^{*3} اور کام پر لگا دیا سورج اور چاند کو۔^{*4} ہر ایک گردش کر رہا ہے ایک میعاد معین

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي

تک⁵*۔ وہی تدبیر کرتا ہے ہر کام کی۔ کھول
 کھول کر بیان کرتا ہے وہ آیتیں⁶* تاکہ تم اپنے
 رب سے ملاقات کا یقین کر لو۔⁷*

لِاجْلِ مُسَمِّيٰ ۙ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ
 الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿٢٠﴾

***2** بالفاظ دیگر آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حد و حساب اجرامِ فلکی کو تھامے ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔

***3** اس کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ اعراف حاشیہ نمبر ۴۱۔ مختصراً یہاں اتنا اشارہ کافی ہے کہ عرش (یعنی سلطنت کائنات کے مرکز) پر اللہ تعالیٰ کی جلوہ فرمائی کو جگہ جگہ قرآن میں جس غرض کے بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو صرف پیدا ہی نہیں کر دیا ہے بلکہ وہ آپ ہی اس سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ یہ جہان ہست و بود کوئی خود بخود چلنے والا کارخانہ نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں، اور نہ مختلف خداؤں کی آماج گاہ ہے، جیسا کہ بہت سے دوسرے جاہل سمجھے بیٹھے ہیں، بلکہ یہ ایک باقاعدہ نظام ہے جسے اس کا پیدا کرنے والا خود چلا رہا ہے۔

***4** یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ مخاطب وہ قوم ہے جو اللہ کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ اس کے خالق ہونے کی منکر تھی، اور نہ یہ گمان رکھتی تھی کہ یہ سارے کام جو یہاں بیان کیے جا رہے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور کے ہیں۔ اس لیے مجائے خود اس بات پر دلیل لانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ واقعی اللہ ہی نے آسمانوں کو قائم کیا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو ایک ضابطے کا پابند بنایا ہے۔ بلکہ ان واقعات کو، جنہیں مخاطب خود ہی مانتے تھے، ایک دوسری بات پر دلیل قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس نظام کائنات میں صاحبِ اقتدار نہیں ہے جو معبود قرار دیے جانے کا مستحق ہو۔ رہا یہ سوال کہ جو شخص سرے سے اللہ کی ہستی کا اور اس کے خالق و مدبر ہونے ہی کا قائل نہ ہو اسکے مقابلے میں یہ استدلال کیسے مفید ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے مقابلے میں توحید کو ثابت کرنے کے لیے

جو دلائل دیتا ہے وہی دلائل توحید کے مقابلے میں وجود باری کے اثبات کے لیے بھی کافی ہیں۔ توحید کا سارا استدلال اس بنیاد پر قائم ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے جس میں ہر طرف ایک ہمہ گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت، اور بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار جس طرح اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کے بہت سے فرمانروا نہیں ہیں، اسی طرح اس بات پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرمانروا ہے۔ نظم کا تصور ایک ناظم کے بغیر، قانون کا تصور ایک حکمران کے بغیر، حکمت کا تصور ایک حکیم کے بغیر، علم کا تصور ایک عالم کے بغیر، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلق کا تصور ایک خالق کے بغیر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہٹ دھرم ہو، یا پھر وہ جس کی عقل ماری گئی ہو۔

5* یعنی یہ نظام صرف اسی امر کی شہادت نہیں دے رہا ہے کہ ایک ہمہ گیر اقتدار اس پر فرمانروا ہے اور ایک زبردست حکمت اس میں کام کر رہی ہے، بلکہ اس کے تمام اجزاء اور ان میں کام کرنے والی ساری قوتیں اس بات پر بھی گواہ ہیں کہ اس نظام کی کوئی چیز غیر فانی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس کے اختتام تک وہ چلتی ہے اور جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو مٹ جاتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح اس نظام کے ایک ایک جزء کے معاملے میں صحیح ہے اسی طرح اس پورے نظام کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اس عالم طبیعی کی مجموعی ساخت یہ بتا رہی ہے کہ یہ ابدی و سرمدی نہیں ہے، اس کے لیے بھی کوئی وقت ضرور مقرر ہے جب یہ ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا عالم برپا ہوگا۔ لہذا قیامت، جس کے آنے کی خبر دی گئی ہے، اس کا آنا مستبعد نہیں بلکہ نہ آنا مستبعد ہے۔

6* یعنی اس امر کی نشانیاں کہ رسولِ خدا جن حقیقتوں کی خبر دے رہے ہیں وہ فی الواقع سچی حقیقتیں ہیں۔ کائنات میں ہر طرف ان پر گواہی دینے والے آثار موجود ہیں۔ اگر لوگ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انہیں نظر آجائے کہ قرآن میں جن جن باتوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے بے شمار نشانات ان کی تصدیق کر رہے ہیں۔

7* اوپر جن آثار کائنات کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے ان کی یہ شہادت تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اس عالم کا

خالق و مدبر ایک ہی ہے، لیکن یہ بات کہ موت کے بعد دوسری زندگی، اور عدالت الہی میں انسان کی حاضری، اور جزا و سزا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں ان کے برحق ہونے پر بھی آثار شہادت دیتے ہیں، ذرا مخفی ہے اور زیادہ غور کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس لیے پہلی حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، کیونکہ سننے والا محض دلائل کو سن کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ دوسری حقیقت پر خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین بھی تم کو انہی نشانیوں پر غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا نشانیوں سے آخرت کا ثبوت دو طرح سے ملتا ہے:

ایک یہ کہ جب ہم آسمانوں کی ساخت اور شمس و قمر کی تسخیر پر غور کرتے ہیں تو ہمارا دل یہ شہادت دیتا ہے کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان اجرامِ فلکی پیدا کیے ہیں، اور جس کی قدرت اتنے بڑے بڑے کونوں کو فضا میں گردش دے رہی ہے، اُس کے لیے نوعِ انسانی کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اسی نظامِ فلکی سے ہم کو یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا کمال درجے کا حکیم ہے، اور اُس کی حکمت سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ نوعِ انسانی کو ایک ذی عقل و شعور صاحب اختیار و ارادہ مخلوق بنانے کے بعد، اور اپنی زمین کی بے شمار چیزوں پر تصرف کی قدرت عطا کرنے کے بعد، اس کے کارنامہ زندگی کا حساب نہ لے، اُس کے ظالموں سے باز پرس اور اُس کے مظلوموں کی داد رسی نہ کرے، اُس کے نیکوکاروں کو جزا اور اُس کے بدکاروں کو سزا نہ دے، اور اُس سے کبھی یہ پوچھے ہی نہیں کہ جو بیش قیمت امانتیں میں نے تیرے سپرد کی تھیں ان کے ساتھ تو نے کیا معاملہ کیا۔ ایک اندھا راجہ تو بے شک اپنی سلطنت کے معاملات اپنے کارپردازوں کے حوالے کر کے خوابِ غفلت میں سرشار ہو سکتا ہے، لیکن ایک حکیم و دانا سے اس غلط بخشی و تغافل کشی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اس طرح آسمانوں کا مشاہدہ ہم کو نہ صرف آخرت کے امکان کا قائل کرتا ہے، بلکہ اس کے وقوع کا یقین بھی دلاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَ جَعَلَ فِيهَا

اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا یا زمین کو اور

مَوَاسِي وَ أَهْرًا وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
 جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغُشِّي اللَّيْلَ
 النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
 يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣﴾

بنائے اس میں پہاڑ اور نہریں۔ اور ہر طرح کے
 پھل۔ پیدا کیں ان میں دو دو قسمیں۔ وہی
 ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر^{8*}۔ بیشک ان
 میں ہیں یقینی نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو غور
 کرتے ہیں۔

8* اجرامِ فلکی کے بعد عالمِ ارضی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور یہاں بھی خدا کی قدرت اور حکمت کے
 نشانات سے انہی دونوں حقیقتوں (توحید اور آخرت) پر استشہاد کیا گیا ہے جن پر پچھلی آیات میں عالمِ سماوی
 کے آثار سے استشہاد کیا گیا تھا۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اجرامِ فلکی کے ساتھ زمین کا تعلق، زمین کے ساتھ سورج اور چاند کا تعلق، زمین کی بے شمار مخلوقات کی
 ضرورتوں سے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق، یہ ساری چیزیں اس بات پر کھلی شہادت دیتی ہیں کہ ان کو نہ تو الگ
 الگ خداؤں نے بنایا ہے اور نہ مختلف باختیار خدا ان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان سب چیزوں
 میں باہم اتنی مناسبتیں اور ہم آہنگیاں اور موافقتیں نہ پیدا ہو سکتی تھیں اور نہ مسلسل قائم رہ سکتی تھیں۔
 الگ الگ خداؤں کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مل کر پوری کائنات کے لیے تخلیق و تدبیر کا ایسا منصوبہ بنا
 لیتے جس کی ہر چیز زمین سے لے کر آسمانوں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتی چلی جائے اور کبھی ان کی
 مصلحتوں کے درمیان تصادم واقع نہ ہونے پائے۔

(۲) زمین کے اس عظیم الشان کرے کا فضائے بسیط میں معلق ہونا، اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے
 پہاڑوں کا ابھر آنا، اس کے سینے پر ایسے ایسے زبردست دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں طرح طرح کے
 بے حد و حساب درختوں کا پھلنا، اور پیہم انتہائی باقاعدگی کے ساتھ رات اور دن کے حیرت انگیز آثار کا طاری
 ہونا، یہ سب چیزیں اس خدا کی قدرت پر گواہ ہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ایسے قادرِ مطلق کے متعلق یہ
 گمان کرنا کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا نہیں کر سکتا، عقل و دانش کی نہیں، حماقت و بلادت کی

دلیل ہے۔

(۳) زمین کی ساخت میں، اُس پر پہاڑوں کی پیدائش میں، پہاڑوں سے دریاؤں کی روانی کا انتظام کرنے میں، پھلوں کی ہر قسم دو طرح کے پھل پیدا کرنے میں، اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات باقاعدگی کے ساتھ لانے میں جو بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں وہ پکار پکار کر شہادت دے رہی ہیں کہ جس خدا نے تخلیق کا یہ نقشہ بنایا ہے وہ کمال درجے کا حکیم ہے۔ یہ ساری چیزیں خبر دہیتی ہیں کہ یہ نہ تو کسی بے ارادہ طاقت کی کار فرمائی ہے اور نہ کسی کھلنڈرے کا کھلونا۔ ان میں سے ہر چیز کے اندر ایک حکیم کی حکمت اور انتہائی بالغ حکمت کام کرتی نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد صرف ایک نادان ہی ہو سکتا ہے جو یہ گمان کرے کہ زمین پر انسان کو پیدا کر کے اور اُسے ایسی ہنگامہ آرائیوں کے مواقع دے کر وہ اس کو یونہی خاک میں گم کر دے گا۔

اور زمین میں **قطعات** میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ⁹ اور باغات انگور کے اور کھیتی اور کھجور کے درخت۔ جڑے ہوئے تنوں والے اور دوسرے اکھرے ¹⁰ جو سیراب ہوتے ہیں ایک ہی پانی سے۔ اور **فضیلت** دیتے ہیں ہم ان میں بعض کو بعض پر ذائقے میں۔ **بیشک** اس میں ہیں **یقینی نشانیاں** ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ¹¹

وَ فِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرَاتٌ وَ
جَنَّتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَ زَرْعٌ وَ نَخِيلٌ
صِنَوَانٌ وَ غَيْرُهُ صِنَوَانٍ يُسْقَىٰ جَمَآءٍ
وَ أَحَدٍ وَ نَفْصِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ
فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾

⁹ یعنی ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کر دیے ہیں جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادہ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان مختلف خطوں کی پیدائش اور

ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوسری مخلوقات سے قطع نظر، صرف ایک انسان ہی کے مفاد کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی مختلف اغراض و مصالح اور زمین کے ان خطوں کی گونا گونی کے درمیان جو مناسبتیں اور مطابقتیں پائی جاتی ہیں، اور ان کی بدولت انسانی تمدن کو پھلنے پھولنے کے جو مواقع ہم پہنچے ہیں، وہ یقیناً کسی حکیم کی فکر اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کے دانشمندانہ ارادے کا نتیجہ ہیں۔ اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کے لیے بڑی ہٹ دھرمی درکار ہے۔

10* کھجور کے درختوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے اور بعض میں ایک جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں۔

11* اس آیت میں اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و حکمت کے نشانات دکھانے کے علاوہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات میں ہمیں بھی یکسانی نہیں رکھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے، مگر اس کے قطعے اپنے اپنے رنگوں، شکلوں اور خاصیتوں میں جدا ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی ہے مگر اس سے طرح طرح کے غلے اور پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک ہی درخت اور اس کا ہر پھل دوسرے پھل سے نوعیت میں متحد ہونے کے باوجود شکل اور جسامت اور دوسری خصوصیات میں مختلف ہے۔ ایک ہی جڑ ہے اور اس سے دو الگ تنے نکلتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی الگ انفرادی خصوصیات رکھتا ہے۔ ان باتوں پر جو شخص غور کرے گا وہ کبھی یہ دیکھ کر پریشان نہ ہو گا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر اسی سورۃ میں فرمایا گیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا، مگر جس حکمت پر اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامہ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ؕ اِذَا كُنَّا

اور اگر تم تعجب کرو تو عجیب ہے ان کا کہنا کہ کیا

جب ہم ہو جائیں گے مٹی تو کیا یقیناً ہم پیدا ہوں گے از سر نو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ۔¹² اور یہی ہیں طوق ہوں گے جنکی گردنوں میں¹³۔ اور یہی ہیں اہل دوزخ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تَرْبًا ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۗ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ اَلَاغْلُلُ
فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٦٦﴾

12* یعنی ان کا آخرت سے انکار دراصل خدا سے اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے۔ یہ صرف اتنا ہی نہیں کہتے کہ ہمارا مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہے کہ معاذ اللہ وہ خدا عاجز درماندہ اور نادان و بے خرد ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔
13* گردن میں طوق پڑا ہونا قیدی ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت کے، اپنی ہٹ دھرمی کے، اپنی خواہشات نفس کے، اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ یہ آزادانہ غور و فکر نہیں کر سکتے۔ انہیں ان کے تعصبات نے ایسا جکڑ رکھا ہے کہ یہ آخرت کو نہیں مان سکتے اگرچہ اس کا ماننا سراسر معقول ہے، اور انکا آخرت پر جمنے ہوئے ہیں اگرچہ وہ سراسر نامعقول ہے۔

اور یہ مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تجھ سے برائی کو بھلائی سے پہلے¹⁴ جبکہ یقیناً واقع ہو چکی ہیں ان سے پہلے مثالیں (عذاب کی)۔ اور یقیناً تیرا رب ہے معاف کرنے والا لوگوں کو باوجود انکے ظلم کے۔ اور بیشک تیرا رب ہے سخت عذاب دینے والا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ
وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُتْ ۗ
اِنَّ رَبَّكَ لَدُوْۤا مَغْفِرَةٌ لِّلنَّاسِ عَلٰى
ظُلْمِهِمْ ۗ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿٦٧﴾

14* کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اگر تم واقعی نبی ہو اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے تم کو جھٹلا دیا ہے تو اب آخر ہم پر وہ عذاب آئیوں نہیں جاتا جس کی تم ہم کو دھمکیاں دیتے ہو؟ اس کی آنے میں خواہ مخواہ دیر کیوں لگ رہی ہے؟ کبھی وہ چیلنج کے انداز میں کہتے کہ رَبَّنَا عَجَلْ لَنَا قِطْنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (خدا یا ہمارا حساب تو ابھی کر دے، قیامت پر نہ اٹھا رکھ)۔ اور کبھی کہتے کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اُتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (خدا یا اگر یہ باتیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں حق ہیں اور تیری ہی طرف سے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی دردناک عذاب نازل کر دے)۔ اس آیت میں کفار کی انہی باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ نادان خیر سے پہلے شرمانگتے ہیں، اللہ کی طرف ان کو سنبھلنے کے لیے جو مہلت دی جا رہی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مہلت کو جلدی ختم کر دیا جائے اور ان کی باغیانہ روش پر فوراً گرفت کر ڈالی جائے۔

اور کہتے ہیں وہ جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں نازل کی گئی اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے **15***۔ درحقیقت تم خبردار کرنیوالے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہے۔ **16***

و يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا اُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾

15* نشانی سے اُن کی مراد ایسی نشانی تھی جسے دیکھ کر اُن کو یقین آجائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ وہ آپ سلم کی بات کو اس کی حقانیت کے دلائل سے سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ آپ سلم کی سیرت پاک سے سبق لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اُس زبردست اخلاقی انقلاب سے بھی کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو آپ سلم کی تعلیم کے اثر سے آپ سلم کے صحابہ کی زندگیوں میں رونما ہو رہا تھا۔ وہ اُن معقول دلائل پر بھی غور کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو ان کے مشرکانہ مذہب اور ان کے اوہام جاہلیت کی غلطیاں واضح کرنے کے لیے قرآن میں پیش کیا جا رہے تھے۔ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ چاہتے تھے کہ انہیں کوئی کرشمہ دکھایا جائے جس کے معیار پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانچ سکیں۔

16* یہ اُن کے مطالبے کا مختصر سا جواب ہے جو براہِ راست اُن کو دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم اس فکر میں نہ پڑو کہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے آخر کون سا کرشمہ دکھایا جائے۔ تمہارا کام ہر ایک کو مطمئن کر دینا نہیں ہے۔ تمہارا کام تو صرف یہ ہے کہ خوابِ غفلت میں سونے ہوئے لوگوں کو چونکا دو اور اُن کو غلط روی کے برے انجام سے خبردار کرو۔ یہ خدمت ہم نے ہر زمانے میں، ہر قوم میں، ایک نہ ایک ہادی مقرر کر کے لی ہے۔ اب تم سے یہی خدمت لے رہے ہیں۔ اس کے بعد جس کا جی چاہے آٹکھیں کھولے اور جس کا جی چاہے غفلت میں پڑا رہے۔ یہ مختصر جواب دے کر اللہ تعالیٰ اُن کے مطالبے کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہے اور اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ تم کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہو جہاں کسی چھوٹے راجہ کا راج ہو۔ تمہارا واسطہ ایک ایسے خدا سے ہے جو تم میں سے ایک ایک شخص کو اُس وقت سے جانتا ہے جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بن رہے تھے، اور زندگی بھر تمہاری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس کے ہاں تمہاری قسمتوں کا فیصلہ ٹھیکہ عدل کے ساتھ تمہارے اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے، اور زمین و آسمان میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اُس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے۔

اللہ واقف ہے جو کچھ اٹھائے ہوئے ہے ہر مادہ اور جو کچھ گھٹتا ہے رحموں میں اور جو کچھ بڑھتا ہے **17***۔ اور ہر چیز کی اسکے پاس ایک مقدار مقرر ہے۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَ
مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ وَ
كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾

17* اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کے رحم میں بچے کے اعضاء اُس کی قوتوں اور قابلیتوں، اور اُس کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں جو کچھ کمی یا زیادتی ہوتی ہے، اللہ کی براہِ راست نگرانی میں ہوتی ہے۔

وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا۔ سب سے بزرگ عالی رتبہ ہے۔

عِلْمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ
الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾

یکساں ہے (اللہ کے لئے) تم میں سے کوئی
 چھپا کر کئے بات یا کوئی پکار کر کئے اسے۔ اور وہ
 جو چھپ جائے رات کو یا کھلم کھلا چلے پھرے
 دن میں۔

سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَ
 مَّنْ جَهَرَ بِهِ وَ مَّنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ
 بِاللَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿١٨﴾

اسکے لئے نگہبان (فرشتے) میں باری مقرر کئے
 ہوئے اس کے آگے اور اس کے پیچھے جو اسکی
 نگرانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے ^{18*}۔ یقیناً
 اللہ نہیں بدلتا حالت کسی قوم کی یہاں تک کہ
 وہ بدل لیں وہ جو ہے ان میں۔ اور جب ارادہ
 کرتا ہے اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا تو نہیں
 پھیرنے والا اس کا۔ اور نہیں ہوتا ان کا اس
 کے سوا کوئی مددگار۔ ^{19*}

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ
 خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ
 اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا
 مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ
 سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ
 دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ﴿١٩﴾

18* یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ہر حال میں براہ راست خود دیکھ رہا ہے اور
 اُس کی تمام حرکات و سکنات سے واقف ہے، بلکہ مزید برآں اللہ کے مقرر کیے ہوئے نگران کار بھی ہر
 شخص کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور پورے کارنامہ زندگی کا ریکارڈ محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان
 کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ایسے خدا کی خدائی میں جو لوگ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں کہ انہیں شتر
 بے مہار کی طرح زمین پر چھوڑ دیا گیا ہے اور کوئی نہیں جس کے سامنے وہ اپنے نامہ اعمال کے لیے جواب دہ
 ہوں، وہ دراصل اپنی شامت آپ بلاتے ہیں۔

19* یعنی اس غلط فہمی میں بھی نہ رہو کہ اللہ کے ہاں کوئی پیر یا فقیر، یا کوئی اگلا پچھلا بزرگ، یا کوئی جن یا فرشتہ

ایسا زور آور ہے کہ تم خواہ کچھ ہی کرتے رہو، وہ تمہاری نذروں اور نیازوں کی رشوت لے کر تمہیں تمہارے برے اعمال کی پاداش سے بچالے گا۔

وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لئے اور اٹھاتا ہے بھاری بھاری بادلوں کو۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَ طَمَعًا وَ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿١٢﴾

اور تسبیح کرتی ہے رعد اسکی حمد کے ساتھ*20 اور فرشتے اسکے خوف سے*21 اور وہی بھیجتا ہے بجلیاں پھر گرا دیتا ہے انکو جس پر چاہتا ہے۔ جبکہ وہ ہی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اور وہ ہے زبردست پکڑنے والا۔*22

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَ هُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَ هُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿١٣﴾

*20 یعنی بادلوں کی گرج یہ ظاہر کرتی ہے کہ جس خدا نے یہ ہوائیں چلائیں، یہ بھاپیں اٹھائیں، یہ کثیف بادل جمع کیے، بادلوں کو بجلی چمکنے کا ذریعہ بنایا اور اس طرح زمین کی مخلوقات کے لیے پانی کی بہم رسانی کا انتظام کیا، وہ سبوح و قدوس ہے، اپنی حکمت اور قدرت میں کامل ہے، اپنی صفت میں بے عیب ہے، اور اپنی خدائی میں لاشریک ہے۔ جانوروں کی طرح سننے والے تو ان بادلوں میں صرف گرج کی آواز ہی سنتے ہیں۔ مگر جو ہوش کے کان رکھتے ہیں وہ بادلوں کی زبان سے توحید کا یہ اعلان سنتے ہیں۔

*21 فرشتوں کے جلال خداوندی سے لرزنے اور تسبیح کرنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ یہاں اس لیے کیا کہ مشرکین ہر زمانے میں فرشتوں کو دیوتا اور معبود قرار دیتے رہے ہیں اور ان کا یہ گمان رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ اس غلط خیال کی تردید کے لیے فرمایا گیا کہ وہ اقتدارِ اعلیٰ میں خدا کے شریک نہیں ہیں بلکہ فرمانبردار خادم ہیں اور اپنے آقا کے جلال سے کانپتے ہوئے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

22* یعنی اس کے پاس بے شمار حربے ہیں اور وہ جس وقت جس کے خلاف جس حربے سے چاہے ایسے طریقے سے کام لے سکتا ہے کہ چوٹ پڑنے سے ایک لمحہ پہلے بھی اسے خبر نہیں ہوتی کہ کدھر سے کب چوٹ پڑنے والی ہے۔ ایسی قادرِ مطلق ہستی کے بارے میں یوں بے سوچے سمجھے جو لوگ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں انہیں کون عقلمند کہہ سکتا ہے؟

اسی کو پکارنا برحق ہے*23 اور وہ جنکو یہ پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں جواب دے سکتے وہ انکو کسی بات کا۔ مگر اس کی طرح جو پھیلا دے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف تاکہ آپہنچے وہ اسکے منہ تک۔ اور نہیں ہے وہ اس تک پہنچنے والا۔ اور نہیں ہے پکارنا کافروں کا سوائے گمراہی کے۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٤﴾

23* پکارنے سے مراد اپنی حاجتوں میں مدد کے لیے پکارنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حاجت روائی و مشکل کشائی کے سارے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے صرف اسی سے دعائیں مانگنا برحق ہے۔

اور اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں جو ہیں آسمانوں میں اور زمین میں۔ خوشی سے یا زبردستی سے*24 اور انکے سائے صبح اور شام

وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ بِالْعُدْوِ وَالْأَصَالِ ﴿١٥﴾ سجدة

24* سجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا، حکم بجالانا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اس معنی میں اللہ کو سجدہ کر رہی ہے کہ وہ اس کے قانون کی مطیع ہے اور اس کی مشیت سے بال برابر بھی سرتابی

نہیں کر سکتی۔ مومن اس کے آگے برضا و رغبت جھکتا ہے تو کافر کو مجبوراً جھکنا پڑتا ہے، کیونکہ خدا کے قانون فطرت سے ہٹنا اُس کی مقدرت سے باہر ہے۔

25* سایوں کے سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کے سایوں کا صبح و شام مغرب اور مشرق کی طرف گرنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب چیزیں کسی کے امر کی مطیع اور کسی کے قانون سے مسخر ہیں۔

پوچھو کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا۔ کہو کہ

اللہ **26***۔ کہو کہ کیا تم نے بنائے ہیں اس

کے سوا کارساز ایسے نہیں جو اختیار رکھتے خود

اپنے لئے نفع کا اور نہ نقصان کا۔ کہو کیا برابر

ہیں اندھا اور آنکھوں والا **27***۔ کیا کہیں برابر ہو

سکتی ہیں تاریکیاں اور روشنی **28***۔ کیا مقرر کر

رکھے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک جنہوں

نے پیدا کیا ہے کچھ جس طرح اس نے پیدا کیا ہے کہ

مشتبہ ہو گئی ہے تخلیق انہر۔ **29*** کہو کہ اللہ ہی

پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہ یکتا ہے بڑا

زبردست ہے۔ **30***

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

قُلِ اللَّهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ

أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا

وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى

وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ

وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا

كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقِ عَلَيْهِمْ قُلِ

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ

القَهَّارُ

26* واضح رہے کہ وہ لوگ خود اس بات کے قائل تھے کہ زمین و آسمان کا رب اللہ ہے۔ وہ اس سوال کا

جواب انکار کی صورت میں نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ یہ انکار خود ان کے اپنے عقیدے کے خلاف تھا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر وہ اقرار کی صورت میں بھی اس کا جواب دینے سے کتراتے تھے،

کیونکہ اقرار کے بعد توحید کا ماننا لازم آجاتا تھا اور شرک کے لیے کوئی معقول بنیاد باقی نہیں رہتی تھی۔ اس لیے اپنے موقف کی کمزوری محسوس کر کے وہ اس سوال کے جواب میں چپ سادھ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان سے پوچھو زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ کائنات کا رب کون ہے؟ تم کو رزق دینے والا کون ہے؟ پھر حکم دیتا ہے کہ تم خود کہو کہ اللہ، اور اس کے بعد یوں استدلال کرتا ہے کہ جب یہ سارے کام اللہ کے ہیں تو آخر یہ دوسرے کون ہیں جن کی تم بندگی کیے جا رہے ہو؟

27* اندھے سے مراد وہ شخص ہے جس کے آگے کائنات میں ہر طرف اللہ کی وحدانیت کے آثار و شواہد پھیلے ہوئے ہیں مگر وہ اُن میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اور آنکھوں والے سے مراد وہ ہے جس کے لیے کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے میں معرفتِ کردگار کے دفتر کھلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے اندھو! اگر تمہیں کچھ نہیں سوجھتا تو آخر چشم بینا رکھنے والا اپنی آنکھیں کیسے چھوڑے؟ جو شخص حقیقت کو آشکار دیکھ رہا ہے اس کے لیے کس طرح ممکن ہے کہ وہ تم بے بصیرت لوگوں کی طرح ٹھوکریں کھاتا پھرے؟

28* روشنی سے مراد علم حق کی وہ روشنی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو حاصل تھی۔ اور تاریکیوں سے مراد جہالت کی وہ تاریکیاں ہیں جن میں منکرین بھٹک رہے تھے۔ سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس کو روشنی مل چکی ہے وہ کس طرح اپنی شمع بجھا کر اندھیروں میں ٹھوکریں کھانا قبول کر سکتا ہے؟ تم اگر نور کے قدر شناس نہیں ہو تو نہ سہی۔ لیکن جس نے اُسے پالیا ہے، جو نور و ظلمت کے فرق کو جان چکا ہے، جو دن کے اجالے میں سیدھا راستہ صاف دیکھ رہا ہے، وہ روشنی کو چھوڑ کر تاریکیوں میں بھٹکتے پھرنے کے لیے کیسے آمادہ ہو سکتا ہے؟

29* اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہوتیں اور کچھ دوسروں نے، اور یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا کہ خدا کا تخلیقی کام کونسا ہے اور دوسروں کا کونسا، تب تو واقعی شرک کے لیے کوئی معقول بنیاد ہو سکتی تھی۔ لیکن جب یہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ ان کے معبودوں میں سے کسی نے ایک

تنکا اور ایک بال تک پیدا نہیں کیا ہے، اور جب انہیں خود تسلیم ہے کہ خلق میں ان جعلی خداؤں کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے، تو پھر یہ جعلی معبود خالق کے اختیارات اور اس کے حقوق میں آخر کس بنا پر شریک ٹھیرا لیے گئے؟

30* اصل میں لفظ قہار استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ”وہ ہستی جو اپنے زور سے سب پر حکم چلائے اور سب کو مغلوب کر کے رکھے۔“ یہ بات کہ ”اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے“، مشرکین کی اپنی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انہیں کبھی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ ”وہ یکتا اور قہار ہے“ اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس سے انکار کرنا، پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد، کسی صاحب عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامحالہ یکتا و یگانہ ہے، کیونکہ دوسری جو چیز بھی ہے وہ اسی کی مخلوق ہے، پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات، یا صفات، یا اختیارات، یا حقوق میں اس کی شریک ہو؟ اسی طرح وہ لامحالہ قہار بھی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے مغلوب ہو کر رہنا عین تصورِ مخلوقیت میں شامل ہے۔ غلبہ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کر سکتا ہے۔ پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہے اس کے لیے ان دو خالص عقلی و منطقی نتیجوں سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات سراسر غیر معقول ٹھہرتی ہے کہ کوئی شخص خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی کرے اور غالب کو چھوڑ کر مغلوب کو مشکل کشائی کے لیے پکارے۔

اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر بہ نکلے اس سے نالے اپنے اندازے کے مطابق پھر اوپر لے آیا سیلاب جھاگ پھولا ^{31*}۔ اور وہ (دھات) جسے تپاتے ہیں آگ میں بنانے کے لئے زیور یا سامان۔ جھاگ اٹھتا ہے ایسا ہی۔ ^{32*} اس طرح بیان فرماتا ہے اللہ حق اور

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ
أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ
زَبَدًا رَابِيًا ۗ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي
النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ
مِثْلَهُ ۗ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَ

باطل (کی مثال) - سو جو جھاگ ہے تو زائل ہو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو فائدہ پہنچاتا ہے لوگوں کو وہ ٹھہرا رہتا ہے زمین میں - اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ مثالیں -

الْبَاطِلَ ۖ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَ
أَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُتُ فِي الْأَرْضِ
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

31* اس تمثیل میں اُس علم کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا تھا، آسمانی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ایمان لانے والے سلیم الفطرت لوگوں کو ان ندی نالوں کے مانند ٹھہرایا گیا ہے جو اپنے اپنے طرف کے مطابق بارانِ رحمت سے بھرپور ہو کر رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ اور اُس ہنگامہ و شورش کو جو تحریکِ اسلامی کی خلاف منکرین و مخالفین نے برپا کر رکھی تھی اُس جھاگ اور اُس خس و خاشاک سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہمیشہ سیلاب کے اُٹھتے ہی سطح پر اپنی اچھل کود دکھانی شروع کر دیتا ہے۔

32* یعنی بھٹی جس کام کے لیے گرم کی جاتی ہے وہ تو ہے خالص دھات کو تپا کر کارآمد بنانا۔ مگر یہ کام جب بھی کیا جاتا ہے میل کچیل ضرور ابھر آتا ہے اور اس شان سے چکر کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک سطح پر بس وہی وہ نظر آتا رہتا ہے۔

ان لوگوں کے لئے جنہوں نے قبول کیا (علم) اپنے رب کا بھلائی ہے۔ اور وہ جنہوں نے قبول نہ کیا (علم) اسکا اگر یہ کہ انکے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اتنا ہی انکے ساتھ اور بھی تو ضرور صرف کر ڈالیں فدیے میں اسے۔ *33 یہی وہ لوگ ہیں جن کا ہوگا برا حساب۔ *34 اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۗ
الَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ
مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ
لَافْتَدَوْا بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ
ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

33* یعنی اُس وقت ان پر ایسی مصیبت پڑے گی کہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے دنیا و مافیہا کی دولت دے ڈالنے میں بھی تامل نہ کریں گے۔

34* بری حساب نہمی یا سخت حساب نہمی سے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کسی خطا اور کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے، کوئی قصور جو اس نے کیا ہو مواخذے کے بغیر نہ چھوڑا جائے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا محاسبہ اپنے اُن بندوں سے کرے گا جو اُس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جنہوں نے اپنے خدا سے وفاداری کی ہے اور اس کی مطیع فرمان بن کر رہے ہیں ان سے ”حسابِ یسیر“ یعنی ہلکا حساب لیا جائے گا، اُن کی خدمات کے مقابلے میں ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور اُن کے مجموعی طرزِ عمل کی بھلائی کو ملحوظ رکھ کر اُن کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح اُس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہؓ سے ابو داؤد میں مروی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ۔ ”جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔“ اس پر حضور نے فرمایا، عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کانٹا بھی اُس کو چھجتا ہے، تو اللہ اُسے اُس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے؟ آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہو گا وہ سزا پا کر رہے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَّسِيرًا؟ ”جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔“ حضور نے جواب دیا، اس سے مراد ہے پیشی (یعنی اس کی بھلائیوں کے ساتھ اُس کی برائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ضرور پیش ہوں گی) مگر جس سے باز پرس ہوئی تو وہ بس سمجھ لو کہ مارا گیا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے وفادار اور فرمانبردار ملازم کو چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر کبھی سخت گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے بڑے بڑے قصوروں کو بھی اس کی خدمات کے پیش نظر معاف کر دیتا ہے۔

لیکن اگر کسی ملازم کی خداری و خیانت ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی خدمت قابل لحاظ نہیں رہتی اور اس کے

چھوٹے بڑے سب قصور شمار میں آجاتے ہیں۔

تو کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے حق ہے کیا وہ مانند ہو سکتا ہے اسکے جو ہے اندھا*35۔ در حقیقت سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل والے ہیں*36

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَّا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ الْأَكْبَابُ ﴿١١﴾

*35 یعنی نہ دنیا میں ان دونوں کا رویہ یکساں ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں ان کا انجام یکساں۔

*36 یعنی خدا کی بھیجی ہوئی اس تعلیم اور خدا کے رسول کی اس دعوت کو جو لوگ قبول کیا کرتے ہیں وہ عقل کے اندھے نہیں بلکہ ہوش گوش رکھنے والے بیدار مغز لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر دنیا میں ان کی سیرت و کردار کا وہ رنگ اور آخرت میں ان کا وہ انجام ہوتا ہے جو بعد کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے عہد کو۔*37

الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾

*37 اس سے مراد وہ انہی عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں تمام انسانوں سے لیا تھا کہ وہ صرف اسی کی بندگی کریں گے (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف، حاشیہ نمبر ۱۳۴ و ۱۳۵)۔ یہ عہد ہر انسان سے لیا گیا ہے، ہر ایک کی فطرت میں مضمحل ہے، اور اسی وقت پختہ ہو جاتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آتا ہے اور ربوبیت سے پرورش پاتا ہے۔ خدا کے رزق سے پلنا، اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے کام لینا اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کو استعمال کرنا آپ سے آپ انسان کو خدا کے ساتھ ایک میثاق بندگی میں باندھ دیتا ہے جسے توڑنے کی جرأت کوئی ذمی شعور اور نمک حلال آدمی نہیں کر سکتا، الا یہ کہ نادانستہ کبھی احمیانا اس سے کوئی لغزش ہو جائے۔

اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اسکو حکم دیا ہے اللہ

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

نے جسکا کہ جوڑے رکھا جائے جسے *38 اور
ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور خوف رکھتے ہیں
برے حساب کا۔

يُؤْصَلُ وَ يُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُونَ
سُوءَ الْحِسَابِ ط

*38 یعنی وہ تمام معاشرتی اور تمدنی روابط جن کی درستی پر انسان کی اجتماعی زندگی کی صلاح و فلاح منحصر ہے۔

اور وہ جو صبر کرتے ہیں حاصل کرنے کے لئے
خوشنودی اپنے رب کی *39۔ اور قائم کرتے
میں نماز اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو دیا
ہے ہم نے ان کو پوشیدہ اور علانیہ اور دور کرتے
میں نیکی سے برائی کو۔ *40 یہی لوگ ہیں جن
کے لئے ہے عاقبت کا گھر۔

وَ الَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْفَقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَ عَلَانِيَةً وَ يَدْرءُونَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
الدَّارِ ۝

*39 یعنی اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتے ہیں، اپنے جذبات اور میلانات کو حدود کا پابند بناتے ہیں، خدا کی
نافرمانی میں جن جن فائدوں اور لذتوں کا لالچ نظر آتا ہے انہیں دیکھ کر پھسل نہیں جاتے، اور خدا کی فرمانبرداری
میں جن جن نقصانات اور تکلیفوں کا اندیشہ ہوتا ہے انہیں برداشت کر لے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مومن
کی پوری زندگی درحقیقت صبر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ رضائے الہی کی اُمید پر اور آخرت کے پائیدار نتائج کی توقع
پر اس دنیا میں ضبطِ نفس سے کام لیتا اور گناہ کی جانب نفس کے ہر میلان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

*40 یعنی وہ بدی کے مقابلے میں بدی نہیں بلکہ نیکی کرتے ہیں۔ وہ شر کا مقابلہ شر سے نہیں بلکہ خیر ہی
سے کرتے ہیں۔ کوئی اُن پر خواہ کتنا ہی ظلم کرے، وہ جواب میں ظلم نہیں بلکہ انصاف ہی کرتے ہیں۔ کوئی
ان کے خلاف کتنا ہی جھوٹ بولے، وہ جواب میں سچ ہی بولتے ہیں۔ کوئی اُن سے خواہ کتنی ہی خیانت
کرے وہ جواب میں دیانت سے کام لیتے ہیں اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور سلم نے فرمایا ہے:

لاتكونوا امعة تقولون ان احسن الناس احسنا و ان ظلمونا ظلمنا - ولكن وطنوا انفسكم ، ان احسن الناس ان تحسنوا و ان اساؤا فلا تظلموا -

”تم اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل کا تابع بنا کر نہ رکھو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھلائی کریں گے اور لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بناؤ۔ اگر لوگ نیکی کریں تو نیکی کرو۔ اور اگر لوگ تم سے بد سلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔“

اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نوباتوں کا حکم دیا ہے۔ اور ان میں سے چار باتیں آپ نے یہ فرمائیں کہ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں، جو میرا حق مارے میں اس کا حق ادا کروں، جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں، اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔ اور اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ لا تخن من خانک ”جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر“۔ اور اسی معنی میں ہے حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ”جو شخص تیرے ساتھ معاملہ کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتا اس کو سزا دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تو اس کے ساتھ خدا سے ڈرتے ہوئے معاملہ کر“۔

باغات ہمیشہ رہنے کے داخل ہونگے وہ جن میں اور جو نیک ہوں گے انکے باپ دادوں میں سے اور انکی بیویوں میں سے اور انکی اولاد میں سے اور فرشتے داخل ہونگے انکے پاس ہر ایک دروازے سے۔

جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۚ

(کہیں گے) سلام ہو تم پر ⁴¹* بسب صبر جو تم نے کیا۔ پس بہت خوب ہے آخرت کا گھر۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۗ

41* اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ملائکہ ہر طرف سے آکر ان کو سلام کریں گے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ملائکہ ان کو اس بات کی خوشخبری دیں گے کہ اب تم ایسی جگہ آگئے ہو جہاں تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب یہاں تم ہر آفت سے، ہر تکلیف سے ہر مشقت سے، اور ہر خطرے سے اور اندیشے سے محفوظ ہو۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حجر، حاشیہ نمبر ۲۹)۔

اور وہ لوگ جو توڑ ڈالتے ہیں اللہ کے عہد کو بعد اسکو پختہ کر لینے کے اور قطع کر دیتے ہیں ان (رشتوں) کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اسکا کہ وہ جوڑے رکھے جائیں اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ہے لعنت اور انکے لئے ہے برا گھر۔

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

اللہ فراخ کر دیتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کا چاہتا ہے)۔ ^{42*} اور یہ خوش ہو رہے ہیں دنیا کی زندگی پر۔ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں مگر بہت تھوڑا سامان۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْدِرُ ۗ وَ فَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾

42* اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عام جلاء کی طرح کفار مکہ بھی عقیدہ و عمل کے حس و قبح کو دیکھنے کے بجائے امیری اور غریبی کے لحاظ سے انسانوں کی قدر قیمت کا حساب لگاتے تھے۔ اُن کا گمان یہ تھا کہ جسے دنیا میں خوب سامان عیش مل رہا ہے وہ خدا کا محبوب ہے، خواہ ہو کیسا ہی گمراہ و بدکار ہو۔ اور جو تنگ حال ہے وہ خدا کا مغضوب ہے خواہ وہ کیسا ہی نیک ہو۔ اسی بنیاد پر وہ قریش کے سرداروں کو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کے غریب ساتھیوں پر فضیلت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھ لو، اللہ کس کے ساتھ ہے۔ اس پر متنبہ فرمایا جا رہا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی کا معاملہ اللہ کے ایک دوسرے ہی قانون سے تعلق رکھتا ہے جس میں بے شمار دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم۔ یہ کوئی معیار نہیں ہے جس کے لحاظ سے انسانوں کے اخلاقی و معنوی حن و قبح کا فیصلہ کیا جائے۔ انسانوں کے درمیان فرق مراتب کی اصل بنیاد اور ان کی سعادت و شقاوت کی اصل کسوٹی یہ ہے کہ کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط، کس نے عمدہ اوصاف کا اکتساب کیا اور کس نے برے اوصاف کا۔ مگر نادان لوگ اس کے بجائے یہ دیکھتے ہیں کہ کس کو دولت زیادہ ملی اور کس کو کم۔

اور کہتے ہیں وہ جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں نازل کی گئی اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے۔^{*43} کہدو یقیناً اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اپنی طرف اسکو جو رجوع ہوتا ہے اسکی طرف۔^{*44}

و يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَ يَهْدِي إِلَىٰ مَن آتَابَ 

^{*43} اس سے پہلے آیت، میں اس سوال کا جو جواب دیا جا چکا ہے اسے پیش نظر رکھا جائے۔ اب دوبارہ ان کے اسی اعتراض کو نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

^{*44} یعنی جو اللہ کی طرف خود رجوع نہیں کرتا اور اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے اُسے زبردستی راہِ راست دکھانے کا طریقہ اللہ کے ہاں رائج نہیں ہے۔ وہ ایسے شخص کو انہی راستوں میں بھینکنے کی توفیق دے دیتا ہے جن میں وہ خود بھٹکنا چاہتا ہے۔ وہی سارے اسباب جو کسی ہدایت طلب انسان کے لیے سببِ ہدایت بنتے ہیں، ایک ضلالت طلب انسان کے لیے سببِ ضلالت بنا دیے جاتے ہیں۔ شمع روشن بھی اُس کے سامنے آتی ہے تو راستہ دکھانے کے بجائے اس کی آنکھیں خیرہ ہی کرنے کا کام دیتی ہے۔ یہی مطلب

ہے اللہ کے کسی شخص کو گمراہ کرنے کا۔

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اطمینان پاتے ہیں
جنکے دل اللہ کے ذکر سے۔ کیا نہیں یہ کہ اللہ
کے ذکر سے ہی اطمینان پاتے ہیں دل۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ
اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۗ



وہ لوگ جو ایمان لائے اور کئے انہوں نے نیک
اعمال خوشی ہے انکے لئے اور عمدہ ٹھکانہ۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ
لَهُمْ وَحَسُنَ مَا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ



اسی طرح ہم نے بھیجا ہے تم کو*45 اس امت
میں۔ گذر چکی ہیں اس سے پہلے دوسری
امتیں تاکہ پڑھ کر سنا دو تم انکو وہ جو ہم نے وحی
کی ہے تمہاری طرف۔ اور وہ انکار کرتے ہیں
رحمن کا۔*46 کہدو وہی تو رب ہے میرا۔ نہیں
کوئی معبود سوائے اسکے۔ اسی پر میں بھروسہ
رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهَا أُمَّةٌ لِّتَتْلُوا عَلَيْهِمُ الذِّكْرَ
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُونَ
بِالرَّحْمَنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا
هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ



*45 یعنی کسی ایسی نشانی کے بغیر جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔

*46 یعنی اُس کی بندگی سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اس کی صفات اور اختیارات اور حقوق میں دوسروں کو
اُس کا شریک بنا رہے ہیں، اور اُس کی نعمتوں کے شکرے دوسروں کو ادا کر رہے ہیں۔

اور اگر یہ کہ ہوتا ایک قرآن کہ چل پڑتے اس

وَلَوْ أَن قُرْآنًا سُدِّرْتُ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ

سے پہاڑ یا پھٹ جاتی اس سے زمین یا کلام کر سکتے اس سے مردے*47 (تو کیا یہ لوگ ایمان لے آتے)۔ بلکہ اللہ کے لئے ہے اختیار سارا۔*48 تو کیا نہیں اطمینان ہوا ان لوگوں کو جو ایمان لانے کہ اگر چاہتا اللہ تو ضرور ہدایت دے دیتا سب انسانوں کو۔*49 اور نہ کمی ہوگی انکو جہنوں نے کفر کیا آپڑنے میں ان پر انکے اعمال کی وجہ سے آفت۔ یا نازل ہوتی رہے گی قریب انکے مکانات کے۔ یہاں تک کہ آپہنچے اللہ کا وعدہ بیشک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدے کے۔

قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَ بِهِ
 الْمَوْتَىٰ بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ
 يَأْتِئْسَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ
 اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ لَا يَزَالُ
 الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا
 قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ
 حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا
 يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٦٦﴾

*47 اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب کفار کی طرف سے بار بار نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی نشانی دکھادی جاتی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے۔ پھر جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر قرآن کی کسی سورۃ کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں یکایک دکھادی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ایمان لے آتے؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبولِ حق کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبی کی پاکیزہ زندگی میں، صحابہ کرام کے انقلابِ حیات میں نورِ حق نظر نہ آیا کیا تم

مجھے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پالیں گے؟

48* یعنی نشانیوں کے نہ دکھانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھانے پر قادر نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں سے کام لینا اللہ کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اصل مقصود تو ہدایت ہے نہ کہ ایک نبی کی نبوت کو منوالینا، اور ہدایت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگوں کی فکر و بصیرت کی اصلاح ہو۔

49* یعنی اگر سمجھ بوجھ کے بغیر محض ایک غیر شعوری ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لیے نشانیاں دکھانے کے تکلف کی کیا حاجت تھی۔ یہ کام تو اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ سارے انسانوں کو مومن ہی پیدا کر دیتا۔

اور یقیناً مذاق اڑایا جا چکا ہے رسولوں کا تم سے پہلے۔ تو مہلت دی میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا پھر پکڑ لیا میں نے انکو۔ سو کیسا (سخت) تھا میرا عذاب۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
فَأَمَلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

تو کیا وہ جو نگران ہے ہر شخص پر جو اس نے کمایا ہے۔ (کیا وہ بیخبر ہو سکتا ہے)۔ ^{50*} اور بنا رکھے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک۔ ^{51*} کہو کہ ان کے نام لو۔ کیا خبر دیتے ہو تم اسے اسکی جو نہیں معلوم اسے زمین میں ^{52*} یا محض ظاہری کہنے کی بات ہے۔ بلکہ خوشما بنا دئے

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ
بِمَا كَسَبَتْ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ
قُلُوبَهُمْ ۗ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا
يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ ۗ أَمْ بِيظَاهِرٍ مِّنَ
الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

گئے ہیں انکے لئے جنہوں نے کفر کیا انکے
 فریب^{*53} اور وہ روک لئے گئے ہیں راہ راست
 سے^{*54}۔ اور جسے گمراہ رہنے دے اللہ تو نہیں
 اسے کوئی ہدایت کرنے والا۔

مَكْرَهُمْ وَ صُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَنْ
 يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ

***50** یعنی جو ایک ایک شخص کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے اور جس کی نگاہ سے نہ کسی نیک آدمی کی
 نیکی چھپی ہوئی ہے نہ کسی بد کی بدی۔

***51** جہارتیں یہ کہ اس کے ہمسر اور مد مقابل تجویز کیے جا رہے ہیں، اس کی ذات اور صفات اور حقوق میں
 اس کی مخلوق کو شریک کیا جا رہا ہے، اور اس کی خدائی میں رہ کر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ چاہیں کریں
 ہم سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔

***52** یعنی اس کے شریک جو تم نے تجویز کر رکھے ہیں ان کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

ایک یہ کہ تمہارے پاس کوئی مستند اطلاع آئی ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنی صفات، یا اختیارات، یا
 حقوق میں شریک قرار دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو ذرا براہ کرم ہمیں بھی بتاؤ کہ وہ کون کون اصحاب ہیں اور
 ان کے شریک خدا مقرر کیے جانے کی اطلاع آپ حضرات کو کس ذریعہ سے پہنچی ہے۔

دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ اللہ کو خود خبر نہیں ہے کہ زمین میں کچھ حضرات اُس کے شریک بن گئے ہیں
 اور اب آپ اس کو یہ اطلاع دینے چلے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو صفائی کے ساتھ اپنی اس پوزیشن کا اقرار کرو۔
 پھر ہم بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں کتنے ایسے احمق نکلتے ہیں جو تمہارے اس سراسر لغو مسلک کی پیروی پر
 قائم رہتے ہیں۔

لیکن اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر تیسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی سند اور
 بغیر کسی دلیل کے یونہی جس کو چاہتے ہو خدا کا رشتہ دار ٹھہرا لیتے ہو، جس کو چاہتے ہو داتا اور فریادرس کہہ دیتے

ہو، اور جس کے متعلق چاہتے ہو دعویٰ کر دیتے ہو کہ فلاں علاقے کے سلطان فلاں صاحب ہیں اور فلاں کام حضرت کی تائید و امداد سے برآتے ہیں۔

53* اس شرک کو مکاری کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دراصل جن اجرام فلکی یا فرشتوں یا ارواح یا بزرگ انسانوں کو خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیا گیا ہے، اور جن کو خدا کے مخصوص حقوق میں شریک بنایا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی کبھی نہ ان صفات و اختیارات کا دعویٰ کیا، نہ ان حقوق کا مطالبہ کیا، اور نہ لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ہمارے آگے پرستش کے مراسم ادا کرو ہم تمہارے کام بنایا کریں گے۔ یہ تو چالاک انسانوں کا کام ہے کہ انہوں نے عوام پر اپنی خدائی کا سکھ جانے کے لیے اور ان کی کمائیوں میں حصہ بٹانے کے لیے کچھ بناوٹی خدا تصنیف کیے، لوگوں کو ان کو معتقد بنایا اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طور پر ان کا نمائندہ ٹھہرا کر اپنا اُلوسیدھا کرنا شروع کر دیا۔

دوسری وجہ شریک کو مکر سے تعبیر کرنے کی یہ ہے کہ دراصل یہ ایک فریب نفس ہے اور ایک چور دروازہ ہے جس کے ذریعے سے انسان دنیا پرستی کے لیے، اخلاقی بندشوں سے بچنے کے لیے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کے لیے راہ فرار نکالتا ہے۔

تیسری وجہ جس کی بنا پر مشرکین کے طرز عمل کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے آگے آتی ہے۔

54* یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان ایک چیز کے مقابلے میں دوسری چیز کو اختیار کرتا ہے تو اپنے نفس کو مطمئن کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنی راست روی کا یقین دلانے کے لیے اپنی اختیار کردہ چیز کو ہر طریقے سے استدلال کر کے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی رد کردہ چیز کے خلاف ہر طرح کی باتیں چھانٹنی شروع کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ جب انہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا تو قانونِ فطرت کے مطابق ان کے لیے ان کی گمراہی، اور اُس گمراہی پر قائم رہنے کے لیے ان کی مکاری خوشما بنا دی گئی اور اسی فطری قانون کے مطابق راہِ راست پر آنے سے روک دیے گئے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اُنْكَ لَنْ يَكُنْ فِي عَذَابٍ دُنْيَا كِي زَنْدِغِي مِيں اور

عذاب آخرت کا تو بہت ہی سخت ہے۔ اور
نہیں انکو اللہ سے کوئی بچانے والا۔

لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَ مَا لَهُمْ
مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢٤﴾

مثال اس جنت کی جسکا وعدہ کیا گیا ہے اہل
تقویٰ سے بہ رہی ہیں اسکے نیچے نہیں۔ اسکے
پھل ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں اور اسکے سائے
بھی۔ یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ
اختیار کیا اور انجام کافروں کا دوزخ ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلُّهَا دَائِمٌ وَ ظِلُّهَا
تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَ عُقْبَى
الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿٢٥﴾

اور وہ لوگ جنہیں دی ہمنے کتاب وہ خوش ہوتے
میں اس سے جو نازل ہوا ہے تم پر اور ان فرقوں
ن میں وہ ہیں جو انکار کرتے ہیں اسکا بعض حصہ
۔ کہدو کہ بس مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں عبادت
کروں اللہ کی اور نہ شریک بناؤں اسکے ساتھ۔
اسکی طرف میں بلاتا ہوں اور اسکی طرف مجھے لوٹنا
ہے *55۔

وَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا
أُنزِلَ إِلَيْكَ وَ مِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ
يُنْكِرُ بَعْضَهُ ۗ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ
أَعْبُدَ اللَّهَ وَ لَا أُشْرِكَ بِهِ ۗ إِلَيْهِ
أَدْعُوا وَ إِلَيْهِ مَابٍ ﴿٢٦﴾

*55 یہ ایک خاص بات کا جواب ہے جو اُس وقت مخالفین کی طرف سے کہی جا رہی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ
اگر یہ صاحب واقعی وہی تعلیم لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیاء لائے تھے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، تو آخر کیا
بات ہے کہ یہود و نصاریٰ، جو پچھلے انبیاء کے پیرو ہیں، آگے بڑھ کر ان کا استقبال نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا
جا رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اس پر خوش ہیں اور بعض ناراض، مگر اے نبی، خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض،

تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو خدا کی طرف سے یہ تعلیم دی گئی ہے اور میں بہر حال اسی کی پیروی کروں گا۔

اور اسطرح نازل کیا ہم نے یہ فیصلہ کن فرمان عربی میں۔ اور اگر تم نے پیروی کی ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ اچکا ہے تمہارے پاس علم میں سے۔ تو نہ ہو گا تمہارا اللہ کے سامنے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا۔

وَ كَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۗ^ط
لِيَنْتَبِعْتَهُمْ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ
وَلَا وَاقٍ ﴿٢٧﴾

اور یقیناً بھیجے تھے ہم نے رسول تم سے پہلے اور دی تھیں ہم نے انکو بیویاں اور اولاد۔^{56*} اور نہ تھا یہ کسی رسول کے لئے کہ لے آتا کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے۔^{57*} ہر قضا کے لئے ہے ایک تحریر۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ ۗ^ط
جَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَ ذُرِّيَّةً ۗ^ط وَمَا كَانَ
لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ
اللَّهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٢٨﴾

56* یہ ایک اور اعتراض کا جواب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا جاتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ اچھا نبی ہے جو بیوی اور بچے رکھتا ہے۔ بھلا پیغمبروں کو بھی خواہشاتِ نفسانی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

57* یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے۔ مخالفین کہتے تھے کہ موسیٰ ید بیضا اور عصا لانے تھے۔ مسیح اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ صالح نے اونٹنی کا نشان دکھایا تھا۔ تم کیا نشانی لے کر آئے ہو؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جس نبی نے جو چیز بھی دکھائی ہے اپنے اختیار اور اپنی طاقت سے نہیں دکھائی ہے۔ اللہ نے جس وقت جس کے ذریعے سے جو کچھ ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ ظہور میں آیا۔ اب اگر اللہ کی مصلحت ہوگی تو جو کچھ وہ چاہے گا دکھائے گا۔ پیغمبر خود کسی خدائی اختیار کا مدعی نہیں ہے کہ تم اس سے نشانی دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو۔

مٹا دیتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے (جسکو چاہتا ہے)۔ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب۔ *58

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۗ وَ
عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿٥٨﴾

*58 یہ بھی مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے آئی ہوئی کتابیں جب موجود تھیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ تم کہتے ہو کہ ان میں تحریف ہو گئی ہے، اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا نے اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟ اور کوئی خدائی کتاب منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ اسی خدا کی کتاب ہے جس نے توراہ و انجیل نازل کی تھیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ تمہارا طریقہ توراہ کے بعض احکام کے خلاف ہے؟ مثلاً بعض چیزیں جنہیں توراہ والے حرام کہتے ہیں تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ یہاں ان کا صرف ایک مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ”امم الكتاب“ کے معنی ہیں ”اصل کتاب“ یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں۔

اور خواہ ہم دکھائیں تمہیں کچھ حصہ جسکا وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے یا تمہاری مدت حیات پوری کر دیں تو بس تمہارے ذمے پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔ *59

وَ إِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِمَّا عَلَيْكَ
الْبَلْغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٥٩﴾

*59 مطلب یہ ہے کہ تم اس فکر میں نہ پڑو کہ جن لوگوں نے تمہاری اس دعوتِ حق کو جھٹلا دیا ہے ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کب وہ ظہور میں آتا ہے۔ تمہارے سپرد جو کام کیا گیا ہے اُسے پوری یکسوئی کے ساتھ کیے چلے جاؤ اور فیصلہ ہم پر چھوڑ دو۔ یہاں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر دراصل بات اُن مخالفین کو سنانی مقصود ہے جو چیلنج کے انداز میں بار بار حضور سے کہتے تھے کہ ہماری جس شامت کی دھمکیاں تم

ہیں دیا کرتے ہو آخر وہ آکیوں نہیں جاتی۔

اور کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم چلے آ رہے ہیں زمین پر اسکو گھٹاتے ہوئے اسکے کناروں سے۔ *60 اور اللہ حکم فرماتا ہے نہیں ہے کوئی رد کرنے والا اسکے حکم کا اور وہ ہے جلد لینے والا حساب۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا
مِنْ أَطْرَافِهَا ۗ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ
لِحُكْمِهِ ۗ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾

*60 یعنی کیا تمہارے مخالفین کو نظر نہیں آ رہا ہے کہ اسلام کا اثر سرزمین عرب کے گوشے گوشے میں پھیلتا جا رہا ہے اور چاروں طرف سے ان پر حلقہ تنگ ہوتا چلا جاتا ہے؟ یہ ان کی شامت کے آثار نہیں ہیں تو کیا ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”ہم اس سرزمین پر چلے آ رہے ہیں“ ایک نہایت لطیف انداز بیان ہے۔ کیونکہ دعوتِ حق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ اس کے پیش کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے کسی سرزمین میں اس دعوت کے پھیلنے کو اللہ تعالیٰ یوں تعبیر فرماتا ہے کہ ہم خود اس سرزمین میں بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

اور بیشک چالیں چل چکے ہیں وہ جو ان سے پہلے تھے *61۔ سو اللہ کی ہوتی ہے تدبیر پوری کی پوری۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہتا ہے ہر ذی روح۔ اور جلد معلوم کر لیں گے کافر کہ کس کے لئے ہے آخرت کا گھر۔

وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ
الْمَكْرُ جَمِيعًا ۗ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ
نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبَى
الدَّارِ ﴿٤٢﴾

61* یعنی آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حق کی آواز کو دبانے کے لیے جھوٹ اور فریب اور ظلم کے ہتھیار استعمال کیے جا رہے ہیں۔ پچھلی تاریخ میں بارہا ایسی ہی چالوں سے دعوتِ حق کو شکست دینے کی کوششیں کی جا چکی ہیں۔

اور کہتے ہیں وہ جہنوں نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم رسول۔ کہدو کہ کافی ہے اللہ بطور گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ جن کے پاس ہے کتاب کا علم۔^{*62}

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا
قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ
وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

62* یعنی ہر وہ شخص جو واقعی آسمانی کتابوں کے علم سے بہرہ ور ہے اس بات کی شہادت دے گا کہ جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں وہ وہی تعلیم ہے جو پچھلے انبیاء لے کر آئے تھے۔

